مولانا شہاب الدین ندوی

حیاتِ ثانی کا ثبوت سائنسی نقطہ نظر سے

(۳)

اس موقعہ پر ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے اجزاء و عناصر اُس کے خلیاتی (CELLULAR) نظام کے تغیر و تبدل کے باعث ہر چند سال میں کم از کم آٹھ دس سال میں ایک مرتبہ بدل جاتے ہیں۔ جیسا کہ جدید سائنس کا نظریہ ہے۔ تو اس لحاظ سے کسی انسان کے اصلی اجزاء و عناصر کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ تو اس کا انطباق یہاں پر کیسے ہوگا اور اس مشکل مسئلہ کا حل کیا ہوگا؟ تو اس کا ایک سیدھا سا جواب یہ ہے کہ کسی انسان کے اجزاء و عناصر اس کی زندگی میں — خلیوں کی گھسائی پٹائی کی وجہ سے — چاہے جتنی مرتبہ بھی تبدیل ہو جائیں مگر اس کی "شخصیت" کا اعتبار غالباً اس کے آخری مرتبہ کا ہوگا۔ یعنی جب کوئی شخص مرے گا تو اُس موقع پر اُس کے جو اجزاء و عناصر ہوں گے اسی پر اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

بقائے روح کے دلائل اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی کی "شخصیت" کا اعتبار اصلاً اس کے جسم یا اس کے اجزاء و عناصر پر نہیں بلکہ اس کی روح پر ہوگا[۲۴] جو غیر فانی ہوتی ہے جسم اور اس کے اجزاء خواہ کتنے ہی بدل جائیں مگر اس کا شعور و ادراک اس کا حافظہ و تخیل اور اس کے نفسی احوال و کوائف ہر حال میں برقرار رہتے ہیں۔ بقائے روح پر یہ ایک قطعی و یقینی دلیل ہے جس سے کوئی مادہ پرست انکار نہیں کر سکتا اور یہ قطعاً غیر مادی ہے کیونکہ وہ تمام مادی تغیرات اور سارے اجزائے انسانی گھس پٹ کر تبدیل ہو جانے کے باوجود بھی باقی رہتی ہے۔ اس کو نہ تو تولا جا سکتا ہے نہ ناپا جا سکتا ہے اور نہ کسی لیبارٹری میں اس کی شناخت کی جا سکتی ہے۔ مگر وہ کیمیائی تغیرات کا نتیجہ نہیں ہے جیسا کہ مادہ پرست روح کا انکار کرنے کے سلسلے میں تاویل کرتے ہیں۔ ورنہ وہ بھی جسمانی تغیرات کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی

---

[۲۴] اگرچہ اس کی شخصیت کی شناخت کے لئے اس کا جسمانی وجود بھی ہو بہو شکل میں ضروری ہے ورنہ خلاقیت و ربوبیت مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس توجیہہ سے اس سلسلے کے بہت سے فلسفیانہ اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اس کو "امر ربی" سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی صحیح حقیقت سمجھنے سے انسان قاصر ہے۔ (بنی اسرائیل : ۸۵)

غرض روح کے غیر مادی یا غیر جسمانی ہونے کا ایک اور ثبوت ہمیں نیند کی حالت میں ملتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سویا ہوا شخص بظاہر مُردہ نظر آتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بیداری سے پہلے کوئی چیز موجود تھی جو نیند کی حالت میں اس سے جدا ہو چکی ہے اور اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ وہ نیند کی حالت میں خواب دیکھتا ہے اور خواب کی حالت میں وہ مختلف جہانوں کی سیر کرتا ہے۔ جو بیداری کے بعد اسے یاد آتے ہیں۔ وہ خواب کی حالت میں ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتا ہے اور بعض اوقات اپنے مرے ہوئے اعزہ سے بھی ملاقات کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے جسم نے حرکت بالکل نہیں کی۔ اور وہ کہیں بھی نہیں گیا۔ معلوم ہوا کہ اس کے اندر جو چیز موجود تھی اُسی نے یہ سارے تماشے دیکھے ہیں۔ اور اس کا انکار ایک حقیقت واقعہ کا انکار ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ خلاق ازل نے خود ہر انسان کے نفس کے اندر رُوح اور وجودِ باری کا ثبوت رکھ دیا ہے اور اس اعتبار سے گویا کہ ہر انسان خود اپنے آپ پر ایک حجت ہے۔ اور اس پر مزید کسی خارجی دلیل یا ثبوت کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی لئے صحیفہ حکمت میں کہا گیا ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون (ذاریات ۲۱)

اور خود تمہارے انفس میں بھی وجود خداوندی کی نشانیاں موجود ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

غرض قیامت اور "اعادۂ اجسام" سائنٹیفک نقطۂ نظر سے ایک امر ممکن ہے جس کے وقوع میں عقلی اعتبار سے کسی قسم کا استبعاد دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ تمام مظاہر کائنات اس کے وقوع کی شہادت دیتے نظر آرہے ہیں۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں اس کا ظہور چند عناصر کے اتفاقی ملاپ کے باعث خود بخود ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ نظریہ بجائے خود "غیر سائنٹیفک" ہے کیونکہ وہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو بے ثبوت اور بے دلیل ہے۔ اور اس سلسلے میں حقیقت واقعہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی "موجود" تھا اور مرنے کے بعد بھی "موجود" رہے گا۔ فرق یہ ہے کہ نقش اول اور نقش ثانی میں صرف اس کا "قالب" بدلے گا باقی اس کی "شخصیت" ازل سے ابد تک یکساں رہے گی جس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ ہو سکے گی۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کی ترجمانی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون (بقرہ ۲۸)

تم اللہ کا انکار کیسے کر سکتے ہو جب کہ تم (اپنی تخلیق اول سے پہلے) مُردہ تھے تو اس نے تم کو زندہ کیا؟ پھر وہی تم کو مارے گا پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں دو "اموات" اور دو "زندگیوں" کا تذکرہ ہے اور یہ خطاب پوری نوعِ انسانی سے ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ تم اپنی تخلیق اول سے پہلے معدوم تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر وہ، ہماری حیاتِ طبعی کے اختتام پر پھر تمہیں مارے گا اور پھر دوبارہ قیامت کے موقع پر زندہ کرے گا۔[1]

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح ہماری دنیوی زندگی کے بعد "روحوں" کی شکل میں ہمارا وجود قیامت تک باقی رہے گا اسی طرح ہمارا وجود دنیا میں آنے سے پہلے بھی موجود تھا۔ بالفاظ دیگر ہماری تخلیق اول سے پہلے بھی ہم ارواح کی شکل میں موجود تھے اور مرنے کے بعد قیامت تک ارواح کی شکل میں باقی رہیں گے۔ گویا کہ ہمارا وجود ازل سے ابد تک برابر موجود ہے اور رہے گا۔ درمیان میں ہم کو صرف ایک مختصر سے وقفے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ روح جسم سے ایک بالکل الگ چیز ہے جو کسی طبیعی یا کیمیائی تغیر کا نتیجہ نہیں ہے ورنہ سائنس اب تک اس کو کسی لیبارٹری میں پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکی ہوتی۔

واقعہ یہ ہے کہ روح کبھی مرتی نہیں اور اس پر "موت" کا اطلاق کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ زندہ اور بیدار رہتی ہے اور قدرت کے ایک اشارے پر وہ کسی جسم میں داخل ہوتی یا نکل جاتی ہے جب وہ کسی جسم میں داخل ہوتی ہے تو وہ "زندہ" ہو جاتا ہے اور جب وہ اس سے نکل جاتی ہے تو وہ "مُردہ" بن جاتا ہے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے بجلی کا ایک بلب، کہ جب بجلی اس میں داخل ہوتی ہے تو وہ روشن ہو جاتا ہے اور جب خارج ہوتی ہے تو وہ تاریک ہو جاتا ہے۔ مگر جس طرح بجلی کی اصل حقیقت و ماہیت سے پوری دنیائے سائنس ناواقف ہے اسی طرح وہ روح کی کُنہ و حقیقت سے بھی ناآشنائے محض ہے۔

مگر پھر بھی سائنس بجلی کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات ضرور رکھتی ہے جب کہ روح کے بارے میں اُس کا علم درجہ صفر پر ہے۔ چنانچہ بجلی کے بارے میں سائنس صرف اتنا کہتی ہے کہ وہ الکٹرانوں کے ایک سیدھ میں بہاؤ کا نام ہے۔ مگر یہ خود الکٹران کیا ہے اور اس میں ودیعت شدہ منفی NAGATIVE چارج کی حقیقت

---

[1] تفسیر قرطبی: ۲۴۹/۱

کیا ہے؟ وہ کس طرح کام کرتا ہے اور روشنی کس طرح پیدا کر دیتا ہے؟ تو ان تمام حقائق کی وہ کوئی معقول توجیہہ و تاویل نہیں کر سکتی۔ یہی حال ایٹم کے دیگر اندرونی اجزا (پروٹان اور نیوٹران) کا بھی ہے کہ انسان کسی بھی چیز کے باطنی افعال اور ان کی صحیح کارکردگیوں سے واقف نہیں ہے۔ بلکہ اس کی نظر چند ظاہری اسباب وعلل سے آگے نہیں جا سکتی۔ اور وہ کسی بھی چیز کے "اندرون" کا صحیح حال معلوم نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ جب انسان مادی اشیاء کی حقیقت و ماہیت ہی سے پوری طرح واقف نہیں ہے تو پھر وہ روح اور اس کی حقیقت کا کیا ادراک کر سکتا ہے۔ جو سراسر ایک غیر مادی چیز ہے مگر یہی روح (امر ربی) جب کسی "مردہ" یا "خوابیدہ خلیہ" میں دوبارہ خدا کے حکم سے داخل ہو گا تو وہ "بیدار" ہو جائے گا اور نہایت سرعت کے ساتھ نشوونما پانے لگے گا۔

عالم برزخ نیند کی حالت میں

جس طرح ایک بیج یا جرثومہ "اسپور" بن کر نامساعد حالات میں بے حس و حرکت اور خوابیدہ حالت میں رہتا ہے اسی طرح ہر انسان کا ایک خاص خلیہ "عجب الذنب" بھی نیند اور غنودگی کے عالم میں ہوتا ہے اور بعض حدیثوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان قبر (عالم برزخ) میں نیند یا غنودگی کے عالم میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ترمذی کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ کسی مُردے کو جب زمین میں دفن کیا جاتا ہے تو اس موقع پر دو فرشتے "منکر اور نکیر" مُردے سے مختلف قسم کے سوالات کرتے ہیں اگر وہ صحیح جواب دے دے تو وہ مطمئن ہو کر اس سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں:۔

نم کنومة العروس الذی لا یوقظه الا احب اهله، حتی یبعثه الله من مضجعه ذلك.

سو جاؤ جس طرح نئی نویلی دلہن (بے فکری کے ساتھ) سوتی ہے جس کو اس کا سب سے زیادہ محبوب ہی آکر جگائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ اسے اپنی خوابگاہ سے اٹھائے[26]

یہ بات نیک بندوں کے ساتھ نرم برتاؤ اور محبت کے اظہار کے طور پر کہی جائے گی۔ بہر حال قیامت کے دن جب مُردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو ہر شخص یہی محسوس کرے گا کہ وہ اب تک نیند کی حالت میں تھا جیسا کہ قرآن اس مسئلے پر دلیل ناطق ہے:۔

ونفخ فی الصور فاذا هم من الاجداث الی ربهم ینسلون ۰ قالوا

---

[26] جامع ترمذی کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، ۳/ ۳۸۳-۳۸۴، دار احیاء التراث العربی

یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا ہٰذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون۔ ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم جمیع لدینا محضرون۔

اور جب صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی کہ ہم کو نیند سے کس نے جگا دیا؟ یہ تو وہی (سچی) بات ہے جس کا خدائے رحمٰن نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔ وہ تو ایک زوردار آواز ہوگی۔ پھر سب کے سب ہمارے روبرو حاضر ہو جائیں گے۔ (یٰس: ۵۱، ۵۳)

مظاہر عالم حکم الٰہی کے منتظر اسلام ایک فطری اور معقول دین ہے اس لئے وہ اپنے تمام عقائد و تعلیمات کی عقلی علتیں اور مصلحتیں اور ان کے دلائل بھی سائنٹیفک نقطہ نظر سے بیان کرتا ہے تاکہ نوعِ انسانی اس کی تعلیمات کو غیر معقول تصور کر کے نظر انداز نہ کر دے اور مذکورہ بالا مباحث سے یہ حقیقت بخوبی ثابت ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے وہ عمومی طور پر ایسی کوئی بات بیان نہیں کرتا جو بظاہر "خلافِ عقل" معلوم ہوتی ہو۔ مگر یہ اصول اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ کسی چیز کی علت انسانی عقل اور اس کی سمائی میں نہ آنا اس کے "خلافِ عقل" ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ ورنہ خود دنیائے طبیعات اور دنیائے حیاتیات میں ایسی بے شمار چیزیں موجود ہیں جن کی حقیقت انسان نہیں جانتا۔ تو کیا ان سب کو خلافِ عقل قرار دیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں خود سائنسی تحقیقات ہی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ بلکہ صرف شریعت یا سائنس ہی پر کیا موقوف دنیا کے ہر علم و فن سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح "عالم تکوین" میں ایسے بہت سے "اسرار" موجود ہیں جن کو انسان نہیں جانتا۔ اسی طرح "عالم تشریع" یا علم شریعت میں بھی ایسے بہت سے امور و مسائل موجود ہیں جن کی صحیح کنہ و حقیقت سے انسان واقف نہیں ہے۔ مگر وہ خلافِ عقل نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت یہی نظر آتی ہے کہ ان دونوں میدانوں میں انسان کا علم ایک محدود دائرہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ورنہ اس پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت میں اپنے علم پر غرور کرنے کا مادہ بہت زیادہ ہے۔ اس لئے اگر وہ ہر چیز کی اصلیت سے واقف ہو جائے تو پھر وہ ایک برتر اور "پُر اسرار" ہستی کے وجود کا قائل ہی کیوں ہو؟ لہٰذا انسان کو انسان بنائے رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ قدم قدم پر اس کا "تحیر و استعجاب" برقرار رہے اور اسے اپنی بے چارگی کا شدید احساس ہوتا رہے۔

بہر حال اوپر مذکور تمام مثالیں عقلی اعتبار سے نوعِ انسانی کی تسلی و تشفی اور اتمام حجت کے طور پر

ہیں۔ ورنہ اصل بات یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کا وجود تسلیم کر لیا جائے اور اسے ایک کرشمہ ساز ہستی مان لیا جائے تو پھر اس کے قادر مطلق ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنی تخلیقات میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ اور اس کی عظیم الشان قدرت کا اندازہ ہمیں فلکیات اور اجرام سماوی کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ جن کی تعداد جدید تحقیقات کی رو سے محیر العقول حد تک بہت زیادہ ہے اتنی زیادہ کہ ایک عام آدمی شاید ہی اس پر یقین کرے۔

غرض وہ اتنی زبردست قدرت والا ہے کہ اُسے کسی چیز کو بنانے کے لئے اس طرح ہاتھ پیر چلانے کی ضرورت ہی نہیں ہے جس طرح کوئی شخص کسی چیز کو بنانے کے لئے ہاتھ پیر چلاتا ہے۔ بلکہ اس کے مجرد حکم کے ساتھ ہی وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ چنانچہ حسب ذیل آیات میں یہی تمام حقائق بیان کرتے ہوئے باغی انسان کے انکار قیامت پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور اس حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ اس پوری کائنات کی تکمیل اور باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے کیونکہ وہی تمام کا خالق، ربّ الٰہ، حاکم، بادشاہ اور مالک حقیقی ہے۔

اولیس الذی خلق السمٰوٰت والارض بقٰدرٍ علیٰ ان یخلق مثلھم ط بلیٰ ق
وھو الخلّٰقُ العلیم۔ انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون فسبحٰن
الذی بیدہٖ ملکوت کل شیءٍ والیہ ترجعون ۝ (یٰس ۸۱-۸۳)

کیا وہ جس نے اجرام سماوی اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں! وہ تو ماہر تخلیق اور سب کچھ جاننے والا ہے اُس کا معمول تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اس قدر کہتا ہے کہ "ہوجا" تو وہ ہو جاتی ہے۔ وہ بڑا مقدس ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی تکمیل ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جا رہے ہو۔

جب انسان زمین سے اُگنے لگیں گے

اب یہاں پر ایک بہت بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نباتات کے عمل تخلیق یا "حیات ثانی" کا نظارہ ہم کو اس بنا پر ہو رہا ہے کہ دراصل ان میں بیج ہوتے ہیں جو ان کی نشاۃ ثانیہ میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ انہی بیجوں سے نئے برگ و بار نکلتے ہیں اور ایک پورا درخت نکل کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس انسان میں ایسی کوئی چیز (بیج یا گٹھلی کی قسم کی) موجود نہیں ہے جس سے وہ بھی نباتات ہی کی طرح دوبارہ اُگ سکے اور نشو ونما پا کر ایک پورے انسان کے روپ میں جلوہ گر ہو سکے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کی ہڈیوں میں بھی (نباتات کے بیجوں ہی کی طرح) ایک خاص قسم کی ہڈی (رائی کے دانے جیسے) ہوتی ہے، جو زمین میں گلنے سڑنے سے محفوظ رہتی ہے۔ پھر قیامت کے موقع پر اللہ تعالیٰ ایک خاص قسم کی بارش برسائے گا، جس کی نمی اور رطوبت سے وہ ہڈی بالکل ایک بیج ہی کی طرح نشوونما پاکر بڑھنے لگے گی۔ اور اس میں ہر ہر انسان کی ساری خصوصیات بالکل ایک "فوٹو کاپی" کی طرح بند رہیں گی جس طرح کہ ایک ننھے سے بیج میں ایک پورے درخت کی شبیہہ موجود رہتی ہے۔ ہر انسان کے اجزاء و عناصر شکل و صورت، چہرہ مُہرہ، رنگ و روپ، غرض سب کچھ اپنی "پہلی حالت" کے مطابق ہوگا۔ اور تمام انسان بالکل نباتات ہی کی طرح اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ مگر اس موقع پر ایک فرق یہ ہوگا کہ نباتات کے برعکس یہ "خروجِ ثانی" بجائے تدریج کے غالباً دفعتہً عمل میں آئے گا۔ چنانچہ بعض احادیث میں یہ اہم ترین انکشاف اس طرح مذکور ہے:۔

...... ثم ینزل اللہ من السماء ماءً فینبتون کما ینبت البقل۔ لیس من الانسان شئ الا یبلیٰ الا عظماً واحداً، وھو عجب الذنب۔ ومنہ یرکب الخلق یوم القیامۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک بارش برسائے گا تو تمام لوگ اس طرح اُگنے لگیں گے جس طرح سبزی اگتی ہے۔ انسان کے تمام حصے گل سڑ جاتے ہیں سوائے ایک ہڈی کے جو دُم کی ہڈی ہے اور اسی ہڈی سے قیامت کے دن تمام مخلوقات کی ترکیبِ نو عمل میں آئے گی[۱۵]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں اس کی مزید تفصیل اس طرح مذکور ہے۔

کل ابن آدم یاکلہ التراب الا عجب الذنب منہ خلق وفیہ یرکب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کو مٹی کھا لیتی ہے سوائے ایک ہڈی کے۔ (عجب الذنب) کے اسی کے ذریعہ اسے پیدا کیا گیا ہے اور اسی کے ذریعہ اسے دوبارہ ترتیب دیا جائے گا[۱۶]

عجب الذنب کے لغوی معنی دُم کے پچھلے حصے ہیں۔ اور اس سے مراد وہ لطیف ہڈی ہے جو پیٹھ کے آخری حصے اور چوپایوں کے دُم کی جڑ میں ہوتی ہے[۱۷]

نیز شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی نے حاکم اور ابو یعلی کی ایک دوسری روایت نقل کی ہے جس سے

---

[۱۵] صحیح بخاری کتاب تفسیر القرآن، سورہ عم یتساءلون۔ باب یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجاً جلد ۶ صفحہ ۷۹۔ صحیح مسلم کتاب الفتن باب ما بین النفختین۔ جلد ۴ ص ۲۲۷۱ [۱۶] صحیح مسلم ۴/۲۲۷۱
[۱۷] فتح الباری ۸/۵۵۲۔ مطبوعہ ریاض

"عجب الذنب" کی حقیقت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

قیل یارسول اللہ ما عجب الذنب؟ قال مثل حبة خردل

پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عجب الذنب کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ رائی کے دانے جیسی ایک چیز ہے[۵]

یہ ایک بہت بڑی سائنسی قسم کی حقیقت ہے جس کی موجودہ ترقی یافتہ دور میں بڑی اہمیت ہے ظاہر ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کے انسان کو اس سے زیادہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور نہ وہ اس سے زیادہ تفصیل کا متحمل ہوسکتا تھا۔ خدا کے آخری رسول نے جو کچھ بھی بتایا ظاہر ہے کہ وہ وحی الہی کی روشنی میں ایک غیبی حقیقت کا انکشاف ہے۔ اور جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اس مبہم اور مجمل بیان کو سمجھنا بہت آسان ہوگیا ہے۔ مگر علمائے اسلام نے ان حدیثوں پر اب تک غور ہی نہیں کیا ہے جو نہایت درجہ حیران کن حقائق کی حامل ہیں۔

جدید سائنس کی شہادت

"رائی کے دانے کی مانند ایک چیز" ظاہر ہے کہ یہ ایک بلیغ تشبیہ ہے جو کسی رتی سی چیز کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ رتی سی چیز موجودہ حیاتیات کی روشنی میں سوائے خلیہ CELL کے اور کیا ہوسکتی ہے جو نہ صرف زندگی کی ایک اکائی (یونٹ) ہے بلکہ "زندگی" کی تمام سرگرمیاں پُر اسرار طور پر اسی میں واقع ہوتی ہیں۔

اور جدید تحقیقات کی رو سے کسی چیز کے محض ایک خلیہ کے وجود کے باعث ویسی ہی خصوصیات والے متعدد خلیے وجود میں آسکتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ایک پورا جسم نئے سرے سے تیار ہو کر کھڑا ہوسکتا ہے اور اس سلسلے میں ہمارے سامنے دو شہادتیں موجود ہیں۔ ۱۔ ایک نباتات کی جو ایک ننھے سے بیج سے برآمد ہوتے ہیں۔ ۲۔ ایک دوسرے علم جنین EMBRYOLOGY کی، جس کی رو سے خود انسان کی ابتدا ایک واحد خلیہ سے ہوتی ہے۔ اور وہ مرد کے تخم منوی SPERMATOZOON اور عورت کے بیضہ OVUM کا مخلوطہ ہوتا ہے۔ جسے اصطلاح میں جفتہ ZYGOTE کہا جاتا ہے اور اسی ملے جلے نطفہ کو قرآن مجید میں "نطفۂ امشاج" کہا گیا ہے (دہر ۲)

اس حقیقت کے پیش نظر اوپر مذکور صحیح مسلم کی دوسری حدیث میں غور فرمائیے جس کے الفاظ بڑے بلیغ اور معنی خیز ہیں۔

منه خلق وفيه يركب: ہر انسان کی ابتداء اسی (رائی کے دانے جیسی ایک چیز) سے ہوئی ہے اور

---

[۵] فتح الباری ۸/۵۵۲ مطبوعہ ریاض۔

وہ دوبارہ اسی سے تشکیل دیا جائے گا۔

اس موقع پر تخلیق اول کے لئے "خلق" اور تخلیق ثانی کے لئے "ترکیب" کا لفظ لایا گیا ہے جس میں بڑی نکتہ رسی پائی جاتی ہے یعنی نقش ثانی کے لئے دوبارہ نئے سرے سے پیدا کرنا نہیں بلکہ صرف نقش اول کے مطابق ترکیب و تشکیل دینا ہے گویا کہ نقشہ اور فوٹو پہلے سے موجود ہے اب اس میں صرف رنگ بھرنا ہے۔

جب ہم اپنی "پہلی زندگی" سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں تو اب یقین کرنا چاہیئے کہ ہماری دوسری زندگی بھی بالکل اسی انداز میں تشکیل پا سکتی ہے۔ اسی بنا پر ارشاد باری ہے۔

ولقد علمتم النشاۃ الاولیٰ فلولا تذکرون

اور تم اپنی پہلی زندگی سے خوب واقف ہو تو پھر اس سے سبق کیوں نہیں لیتے؟ (واقعہ ۶۲)

غرض علم خلیہ CELL BIOLOGY یا CYTOLOGY اور علم جنین EMBRYOLOGY کی روشنی میں ہم کو "حیات ثانیہ" کا عمل سمجھنا اور قیامت کی حقیقت سے آگاہ ہونا بالکل آسان ہو جاتا ہے۔ بغور فرمائیے وراثتی مادوں (جین اور کروموسوم) کا عمل خلیوں میں انجام پاتا ہے اور ہر خلیہ اپنی جگہ پر ایک مکمل کارخانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر امیبا AMEOBA یک خلوی جاندار ہے۔ جو زندگی کی سب سے زیادہ سادہ ترین شکل ہے۔ یعنی ہر امیبا صرف ایک خلیہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اسی طرح پروٹوزوا PROTOZOA اور مختلف قسم کے جرثومے GERMS وغیرہ بھی یک خلوی جاندار ہوتے ہیں۔ اور ان ننھے ننھے جانداروں سے خشکی، پانی اور فضا کا کوئی حصہ خالی نہیں ہے۔ مٹی کے اندر پائے جانے والے بکٹیریا بھی یک خلوی ہوتے ہیں۔ اور کرۂ ارض پر ان یک خلوی جانداروں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا مجموعی وزن تمام حیوانات سے ۲۵ گنا زائد ہے۔

اس طرح یک خلوی جاندار انسان کی عبرت و بصیرت کے لئے ہر جگہ بافراط پھیلا دئے گئے ہیں۔ تا کہ وہ ان کے نظاموں کا مطالعہ کر کے خدائی اسباق و بصائر کی طرف متوجہ ہو۔ اور اس سلسلے میں انسان کے لئے ایک حیران کن سبق یہ بھی رکھا گیا ہے کہ ان خوردبینی جانداروں MICROBES میں بعض مخصوص قسمیں صرف گیارہ منٹ میں خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں جب کہ اکثر و بیشتر قسمیں بیس سے تیس منٹ میں منقسم ہوتی ہیں اور سب سے سست رفتار انواع اس عمل میں دو تین گھنٹے لگا دیتی ہیں۔[1] خوردبینی جانوروں کے یہ خلیے اور ان کا نظام کئی حیثیتوں سے انسانی اور نباتاتی خلیوں کے مشابہ ہے۔ اور اس حیثیت سے پوری "دنیائے حیات" میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ ایک واحد خلیہ ایک لمبی مدت تک مردہ حالت میں رہنے کے بعد پھر دوبارہ کیسے زندہ ہو

سکتا ہے ؟ تو اس سلسلے میں جدید تحقیقات کی رو سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ بعض جراثیم انتہائی ناموافق حالات مثلاً رطوبت اور غذا کی یا شدید درجۂ حرارت میں بھی ایک لمبے عرصے تک بے حس وحرکت رہ کر بھی زندہ رہتے ہیں ۔ اور ایسے جراثیم ناموافق حالات میں اپنے خلیوں کے اندر بیج نما جسم بنا لیتے ہیں ۔ اس طرح ان کے اوپر ایک حفاظتی غلاف چڑھ جاتا ہے ۔ اور ایسے جراثیم کو اسپور SPORE کہا جاتا ہے ۔ جو موافق حالات میسّر آنے پر دوبارہ زندہ ہو کر اپنا حیاتیاتی عمل دہرانے لگتے ہیں ۔ گویا کہ وہ اب تک خوابیدہ حالت میں تھے ۔

چنانچہ اس طرح بعض بیج اور اسپور ہزاروں سال تک زندہ رہ سکتے ہیں ۔

اوپر مذکور بخاری و مسلم کی حدیث کے مطابق یہ فقرہ اپنے اندر کافی معنویت رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے موقع پر ایک (خاص قسم کی) بارش برسائے گا ۔ جس کی وجہ سے تمام مُردے سبزی کی طرح زمین سے اُگنے لگیں گے ۔

خلّاق ازل کے جلوے | سائنٹیفک نقطۂ نظر سے ثابت ہو چکا ہے کہ " زندگی " صرف زندہ اشیاء ہی سے وجود میں آ سکتی ہے ۔ مردہ عناصر سے نہیں ۔ جیسا کہ پاسچر کے تجربات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے ۔ اور " جینیاتی " نقطۂ نظر سے زندگی اپنی خصوصیات قائم رکھ سکتی ہے ۔ لہٰذا ایک خلّاق ہستی کا وجود تسلیم کئے بغیر اسرار حیات نہیں کھلتے ۔ اور آغاز حیات کا معمہ حل نہیں ہوتا ۔ اس اعتبار سے اس کائنات کا خالق وہی ہو سکتا ہے جس نے اولین طور پر نہ صرف مُردہ عناصر سے زندہ شئے (مادۂ حیات) وجود میں لایا ۔ بلکہ اپنی خلاقیت کے اس مظاہرہ کو برابر دہراتے ہوئے ہمیشہ بے جان چیزوں میں زندگی ڈال رہا ہے اور جاندار چیزوں سے پھر بے جان چیزیں (جیسے بیج اور انڈا) نکال کر دکھا رہا ہے ۔ تاکہ غافل انسان اس کے اس تخلیقی معجزہ کی طرف توجہ کر سکے ۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

اللہ ہی بیج اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور ان میں سے انکھوے نکالتا ہے اس طرح) وہ مُردہ چیز سے زندہ چیز (مادۂ حیات) نکالتا ہے اور زندہ چیز سے مردہ چیز (پھر بیج اور گٹھلی) برآمد کرتا ہے یہی ہے اللہ ، تو تم کدھر بہکے بہکے جا رہے ہو ؟ (انعام ۹۵)

کیا ایک حقیر سے بیج سے ایک مکمل پودا اور ایک مکمل درخت ، اس کی تمام نوعی خصوصیات کے ساتھ نکال کھڑا کرنا ۔ پھر اُن پودوں اور درختوں سے بالکل اُسی قسم کے بیج برآمد کرنا اور اس عمل کو بغیر کسی ادنیٰ سی کمی بیشی بار بار دہراتے رہنا اس کی خلاقیت کا ایک بے مثال مظاہرہ نہیں ہے ؟

B.P
ذائقے میں لذیذ
غذائیت سے بھرپور
حفظانِ صحت کے
اصولوں پر تیار کردہ
بی پی
• ڈبل روٹی
• فروٹ بن
• فروٹ کیک
بی پی (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۵۱۔ فیروز پور روڈ۔ لاہور
فون: ۳۱۶۸۳۲، ۳۱۶۸۳۷